آر کیالوجی اور علمِ معاشریات

Archeology and the Science of Sociology

فرحت مقبول *

ڈاکٹر شاہدہ پروین*

Abstract:

Archaeology has been developed as a scientific subject during last two centuries which deals with human past. Archaeological data is the basic source of information about the human past which has evidently shown the traces of collectivity within the lengths of historical civilizations that extends from the valleys of Sindh extending through the dusts of Mesopotamia and meeting the nearby of Dajla and Farat rivers. The purpose of this article is to analyze multiple culturally rich regardless of time and boundaries that left any trace of sociological interaction. The analysis is more of a judgment to the idea of societal interaction, if should be promoted or should be left under the heaps of dust as were left by all the ancient civilizations. Other than International civilizations, two imminent historic civilizations of Pakistan; Sindh, Harrappa and Mohenjo-Daro, have also been discussed for a relatable socio-cultural view.

Key words: Archaeology, Civilizations, Sindh Valleys, Babylon, Mesopotamia, Dajla, Farat, Harrappa, Assyria, Society

قدیم معاشروں کو سمجھنے کے لیے علم الآثار کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ جدید علم قدیم آثار، کھنڈرات اور مدفون تہذیبوں سے بحث کرتا ہے۔آر کیالوجی (اثریات) کی دریافتوں نے گمشدہ انسانی معاشروں کے خدوخال بہت نمایاں کر دیے ہیں اور ماہرینِ علم الآثار نے اِن مدفون معاشروں کو احتیاط سے اکٹھا کر کے تاریخ کے بہت سے پوشیدہ حقائق سے پردہ اُٹھایا ہے۔آر کیالوجی کی تحقیقات کے مطابق بنی نوع انسان نہایت قدیم دور سے نہ صرف اجتماع کی شکل میں مل جل کر رہتے رہے ہیں بلکہ ان کی غذا، رہن سہن، زیورات، تعمیرات، معیشت، مذہب وغیرہ سے ان کی معاشرت کا معیار بھی معلوم ہوتا ہے۔ یہی آثار قدیمہ ہمیں بتلاتے ہیں کہ ماضی میں اجتماعی زندگی کیسی تھی اور انسانی معاشرہ کن حالات سے ترقی کر کے موجودہ حالت تک پہنچا ہے۔ذیل میں قدیم معاشروں کی ایک تصویر پیش کی گئی ہے۔ جن کی تفہیم دورِ حاضر میں آر کیالوجیکل سائنس کی بدولت بے حد آسان ہو گئی ہے۔

---

* (پی ایچ ڈی، اسکالر)، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، ادارہ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

آر کیالوجی کا معنی و مفہوم

آر کیالوجی کو اردو میں علمِ آثاریات کہا جاتا ہے۔ جو کہ اثر سے ماخوذ ہے۔ امام راغب اصفہانی "مفردات القرآن" میں اثر کے بارے میں لکھتے ہیں: "ا۔ث۔ر۔اثر الشیء۔(بقیہ علامت) کسی شے کا حاصل ہونا جو اصل شئ کے وجود پر دال ہو اس سے فعل اَثَر (ض) اور اَثَّرَ (تفعیل) ہے۔ اثر کی جمع آثار آتی ہے۔ المآثر: انسانی مکارم جو نسل در نسل منتقل ہوتے چلے جاتے ہیں۔[1]

آر کیالوجی (Archaeology) یونانی زبان کے لفظ "archaiologia" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں قدیم چیزوں کا مطالعہ۔ یہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ "archaeos" یعنی قدیم اور "logos" یعنی حرف، بحث یا دلیل۔[2] آر کیالوجی کو علمِ آثار قدیمہ یا علم الآثار کہا جاتا ہے۔ آثار اثر کی جمع ہے، جو نقوش کا مطلب ظاہر کرتا ہے، "قدیمہ" کسی پرانی چیز کی طرف اشارہ ہے، یعنی ایسے نقوش جو کسی پرانی چیز کی طرف اشارہ کر رہے ہوں۔[3] صاحبِ بیان اللسان اثر کے یہ معنی لکھتے ہیں: "اثر۔بقیہ، نشان، عمر، جو چیز بعد میں باقی رہے۔ آثار۔ علامتیں، نشانات، تاریخی عمارات"[4]

قرآن میں ہے۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَي اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا[5] (پھر ہم نے ان کے پیچھے اسی راہ پر اپنے اور رسول بھیجے۔)

سورہ غافر میں بھی آثار کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِم[6]

(وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے اور ان سے زیادہ زبردست آثار زمین میں چھوڑ گئے ہیں۔ مگر اللہ نے ان کے گناہوں پر انہیں پکڑ لیا۔)

مولانا امین احسن اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "آثار سے مراد تمدنی و تعمیری ترقیوں کے آثار۔ جن کو دنیا میں ہمیشہ عظمت و شوکت کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے اگر قوم ایمان سے عاری ہو تو یہ آثار محض زوال کی نشانی ہیں بالآخر یہی اس کے قومی وجود کے لیے مقبروں کی صورت میں تبدیل ہو کر رہتے ہیں، پھر کوئی سائنس انہیں تباہی سے نہیں بچا سکتی۔[7]

آثار کا لفظ گذشتہ لوگوں کے اطوار و فضائل کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سورہ صافات میں ارشاد ہے:

فَهُمْ عَلَىٰٓ اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ[8]

(سو وہ انہی کے نقش قدم پر دوڑ چلے۔)

"اثر کا لغوی معنی دراصل قدموں کے نشان ہیں جو کسی انسان کے چلنے کے بعد زمین پر پڑ جاتے ہیں۔ آثار ھم سے مراد زمین پر چلنے سے پاؤں کے نشانات مراد ہیں۔"[9] آثار ان نشانات کو کہتے ہیں جو باقی رہ کر ماضی کے کسی عہد کے بارے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔[10]

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں آرکیالوجی کی یہ تعریف کی گئی ہے:

> **Archaeology**, also spelled **archeology**, the scientific study of the material remains of past human life and activities. These include human artifacts from the very earliest stone tools to the man-made objects that are buried or thrown away in the present day. Archaeological investigations are a principle source of knowledge of prehistoric ancient and extinct cultures. The material that are archaeology's subject of study include everything made or used by human beings, tools, utensils, weapons, ornaments, buildings, settlements, monuments and inscriptions.[11]

کتابت کے آغاز سے قبلقدیم حجری دور تک جو معاشرے دنیا میں موجود تھے، انکی تاریخ و ثقافت سے آگاہی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ آثار کی تلاش ہے۔ علم الآثار بہت وسیع المقاصد شعبہ علم ہے جس میں انسانی ارتقا سے لے کر تہذیبی ارتقا اور معاشرہ انسانی کی تہذیبی تاریخ کی افہام و تفہیم بھی شامل ہے۔The Quranic Encyclopedia میں آرکیالوجی کی تعریف یہ ہے

> "The study of ancient cultures, peoples and periods of history by scientific analysis of physical remains." [12]

یعنی قدیم دور کی مادی ثقافت کی دریافت اور تجزیے و مطالعے کو علم آثار قدیمہ یا آرکیالوجی کہا جاتا ہے۔ آرکیالوجی کا تعلق صرف سوشل سائنسز سے ہی نہیں بلکہ ہیومینٹیز(humanities) سے بھی ہے۔ شمالی امریکہ میں آرکیالوجی کو علم بشریات (anthropology) کے ایک جزو کی اور یورپ میں اسے الگ مضمون یا شعبے کی حیثیت حاصل ہے۔ بنیادی طور پر آرکیالوجی قدیم و جدید انسانی تاریخ کے مطالعے کا نام ہے۔ خاص طور پر ازمنہ قدیم کی تاریخ کا مطالعہ جس کے متعلق تحریری مواد دستیاب نہ ہو یا بہت کم ہو کو سمجھنے کیلئے علم آرکیالوجی سے مدد لی جاتی ہے۔ **جیسا کہ اردو انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے**

"پرانے زمانے کے کتبوں ، عمارتوں اور مصنوعات ، مثلاً اوزاروں ، ہتھیاروں ، ظروف، زیورات اور کھلونوں سے ہمیں اِن قوموں کی تہذیب و تمدن کا پتہ چلتا ہے ۔ جن کے متعلق تاریخ معلومات مہیا کرنے سے قاصر ہے ۔ یہ چیزیں آثارِ قدیمہ کہلاتی ہیں۔ لیکن ان سے یہ پتا چلانا کہ یہ کس زمانے کے لوگوں کی ہیں۔اِن لوگوں کے رہن سہن کے طریقے کیا تھے اور علوم و فنون میں کتنی ترقی کی، علم آثارِ قدیمہ کہلاتا ہے۔ بعض مرتبہ کھدائی سے دفینے اور بعض اوقات نہایت شاندار عمارتیں برآمد ہوتی ہیں جو بیش بہا زیورات، فرنیچر اور دیگر اسبابِ آرائش و زیبائش سے آراستہ ہوتی ہیں جیسے فراعنہ مصر کے مقبرے، ٹیکسلا، ہڑپہ موہنجوداڑو کی بستیاں۔[13]

علم آثار قدیمہ کی اہمیت اور ارتقاء

سولہویں صدی کے اوائل میں آثار قدیمہ کا آغاز ہوا مختلف افراد نے پہلے انفرادی طور پر نوادرات اکٹھے کرنا شروع کیے پھر خزانوں کی تلاش میں تباہ شدہ بستیوں کی کھدائی کی گئی۔ نوادرات اور تہذیبوں کی باقیات کی دریافت سے انسانی ارتقاء کی سلسلہ وار کڑیاں بھی منضبط شکل میں جمع ہوئی ہیں اور ازمنہ رفتہ کیمعاشرتی زندگی کی تصویر مرتب ہوئی۔ اس شعبے کا باقاعدہ آغاز انیسویں صدی میں یورپ میں قدیم فن پاروں کی تحقیق سے شروع ہوا اور اب یہ پوری دنیا کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ایک مضمون کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

As a discipline of social sciences, Archaeology has been developed as a scientific subject during last two centuries which deals with the human past. Fundamentally it deals with field work which involves explorations, surveys and excavations. More precisely Archaeology reconstructs the human past by studying, analyzing and examining material culture. The aim of Archaeology is the

understanding of humankind as it is a humanistic discipline, a humane study.[14]

آثار قدیمہ کی تلاش اور کھدائی کا عمل حالیہ عشروں میں بھی مسلسل جاری رہا ہے اور اس علم میں اہل ذوق کی دلچسپی برابر بڑھتی جارہی ہے۔ جو آثار اب تک تلاش کیے گئے ہیں ان کو دنیا کے مختلف ملکوں میں بڑے بڑے عجائب گھروں میں محفوظ کر لیا گیا ہے اور ان کی حفاظت پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ موجودہ دور میں علمِ آثار قدیمہ بے حد اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

ازمنہ رفتہ کے معاشروں کے دریافت شدہ آثار و باقیات کے مطالعہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے Shryock A, Smail لکھتا ہے:

Archaeological data have several advantages for studying past societies.

1.First, they are the only source of information about the human past before the invention of writing and the development of historiographic traditions. Thus, archaeology gives scholars access to the full range of the human experience, including social forms unlike any that have existed in modern or historical times.

2.Second, archaeology can inform about all segments of society, including commoners, peasants, the underclass, and slaves, groups often left out of early historical accounts.

3.Third, archaeological findings provide a long-term perspective on change, documenting the origins of agriculture, the Urban Revolution, and other transformational social changes. Indeed, archaeology is crucial to a renewed interestin what is now called “Deep History”.[15]

ماہرین آثار قدیمہ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ پرانی دریافتوں کے مطالعے سے اس دور کی تاریخ اور معاشرت کے بارے میں معلومات مرتب کرتے ہیں اس اعتبار سے علم آثار قدیمہ سائنس ہے یا فن؟ ابھی یہ طے نہیں ہو سکا البتہ اتنا طے ہے کہ اس علم کی بنیاد سائنسی ہے کیونکہ متعلقہ سائنسی علوم اور آثاریات کی مدد کے بغیر شاید نوادر کی تاریخ مرتب کرنا آسان نہ ہو۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے اس غرض سے کہ ازمنہ ماضیہ کے متعلق ہمارا علم وسیع ہو جائے ہر ایک قسم کے آثارِ قدیمہ کی جانچ پڑتال کی۔ جن مقامات

پر کسی قدیم زمانہ میں شہر بسے ہوئے تھے وہ جگہیں کھود کر مٹے ہوئے نشانوں کا کھوج لگایا، پرانے سکے زمین سے نکالے اور پڑھے۔ قدیم حروفِ تہجی قائم کیے۔[16]

علم آثارِ قدیمہ کے ادوار

ہنری تھامس بکل آثار قدیمہ کے ادوار کے بارے میں لکھتا ہے: "یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ دنیا کی قدیم قوموں کے حالات تاریخ سے بہت کم معلوم ہوتے ہیں۔ جو قومیں تاریخی ذخیرہ رکھتی ہیں وہ بھی بہت زیادہ قدامت کی خبر نہیں دیتیں۔۔۔اس لحاظ سے اہلِ تاریخ نے انسان کے دو دور قائم کیے ہیں۔

1. ایک عہد تاریخی کہلاتا ہے جس کے حالات وواقعات تاریخوں میں محفوظ ہیں گو کہ وہ ناقص اور نامکمل ہی کیوں نہ ہوں۔

2. دوسرا عہد وہ جو مقدم التاریخ کہلاتا ہے جس وقت کے بابت کوئی روئداد لکھی ہوئی موجود نہیں۔ اور اس عہد کا جو بھی حال ہو وہ آثار قدیمہ کی چھان بین اور طبقاتِ ارض کی کھود کھاد سے تحقیق ہوا ہے۔ یعنی پرانی یادگاروں اور زمین کے نیچے دبی ہوئی چیزوں سے ہم کو نہایت قدیم زمانے کے انسانوں کے افعال و حرکات اور اجتماعیت کا پتا لگا اور ہم نے ان چیزوں پر قیاسات جما کر ایسے نتائج نکالے جن سے تاریخ کا ایک سلسلہ مرتب ہو گیا۔ یہ قیاسات اسی طرح قابلِ قبول ہیں جس طرح کسی زندہ قوم کے افعال و حرکات سے اس کی عقل وفراست اور معاشرت پر قیاس لگائے جا سکتے ہیں۔"[17]

آرکیالوجی کی اہمیت قرآن وحدیث کی نظر میں

قرآن وحدیث کے واضح احکام بھی اس علم کی اہمیت اجاگر کرتے ہیں۔ قرآن مجید اور حدیث میں جن آثارِ عبرت کی جانب توجہ دلائی گئی تھی آج رمز و کنایہ پوری تفصیل کے ساتھ اس علم آرکیالوجی کی بدولت ہمارے سامنے آگئے ہیں۔ تاریخ اور سابقہ قوموں کی تہذیب کا علم انسان بالخصوص مسلمان کے لیے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ وحی کے علاوہ آثارِ قدماء وتاریخ انسان کے علم کا ایک ذریعہ ہے جس پر آیاتِ قرآنی متوجہ کرتی ہیں۔ آثار وتاریخ کے حوالے سے یہ آیت قرآن کا ابتدائی نقطہ ہے۔

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ [18] (انہیں اللہ تعالی کے ایام یعنی تاریخ کے ذریعہ نصیحت کریں۔)

اس کے علاوہ قرآن میں کئی جگہ حکم ہے کہ "سیر و فی الارض"، یہ وہ ہدایتِ الہیٰ ہے جس نے علم الآثار کی بنیاد رکھی۔

لَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[19] (پھر کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کو ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے، ان سے بڑھ کر طاقتور تھے، اور زمین میں ان سے زیادہ شاندار آثار چھوڑ گئے ہیں۔ جو کچھ کمائی انہوں نے کی تھی، آخر وہ ان کے کس کام آئی؟)

اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایات کے قطعی مستند ہونے کے سلسلے میں نفس وآفاق کی شہادتیں پیش کی ہیں اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے اقوامِ گذشتہ (قومِ نوح، عاد و ثمود، قومِ لوط، بنی اسرائیل) کی تاریخ اور واقعات کو شہادت کے طور پر پیش کیا ہے کہ یہ زمان و مکان کی شہادتیں ہیں ارض اللہ مکان ہے اور ایام اللہ زمان ہے۔ انسانیت نے اپنا سارا سفر زمان و مکاں میں ہی طے کیا۔[20]

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ[21]

(ہم یقیناً ایک روز مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ جو کچھ افعال انہوں نے کئے ہیں وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں، اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم ثبت کر رہے ہیں۔ ہر چیز کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔)

اس آیت کی تفسیر میں حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں: "اٰثارھم سے مراد وہ اعمال جن کے نمونے انسان دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور لوگ اسکی اقتداء میں وہ اعمال بجالاتے ہیں۔۔۔ اٰثارھم کا دوسرا مطلب نشانات قدم یعنی انسان نیکی یا بدی کے لیے جو سفر کرتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو قدموں کے یہ نشانات بھی لکھے جاتے ہیں۔ جیسے عہدِ رسالت میں بنو سلمہ نے مسجدِ نبوی کے قریب گھر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دیارھم تکتب اٰثارھم یعنی تمہارے گھر اگرچہ دور ہیں مگر وہیں رہو۔ جتنے قدم تم چل کر آتے ہو وہ لکھے جاتے ہیں۔"[22]

حدیث میں کئی جگہ اثر کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سَتَكُونُ أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا[23] ("میرے بعد تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں تم پر دوسروں کو مقدم کیا جائے گا اور ایسی باتیں سامنے آئیں گی جن کو تم برا سمجھو گے۔")

اللہ تعالیٰ نے خود بھی قرآن مجید میں سابقہ قوموں اور انکی تہذیبوں کا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان انکے حالات سے عبرت پکڑیں۔

قومِ ابراہیمؑ: سامی مذاہب کے لیے حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کا بارہاذکر ہے۔حضرت ابرہیم کے پیدائشی شہر "اُر" کی تمدنی باقیات کی دریافت سے اس شہر کی صورت گری ممکن ہو گئی ہے۔

پروفیسر عمر زبیری نے اپنی کتاب "قدیم تہذیبیں اور مذاہب" میں اُر شہر اور اس کے مذہبی و تمدنی حالات کا اثریات کی دریافتوں کی روشنی میں تفصیلی ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ چاند، سورج، ہوا، بارش، روشنی اور دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ان کے مندروں اور دروازوں میں خیالی تصاویر اور بت رکھے ہوتے جن کی عبادت کی جاتی تھی،ان دیوتاؤں سے متعلق قصے کہانیاں مشہور تھیں جن میں سے کچھ کا علم آثارِ قدیمہ کے بعد ہوا۔[24]

مدتوں یہ شہر اُر نقشے سے غائب رہا۔اب از سرِ نو نمودار ہو گیا ہے۔کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء میں ہی پڑ گئی تھی۔۱۹۲۲ء میں امریکہ اور برطانیہ کے ماہرینِ اثریات کی ایک مشترک تحقیقی مہم برٹش میوزیم اور پینسلوینیا یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام عراق کو روانہ ہوئی اور کھدائی کا کام پورے ۷ سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا اور عراق گورنمنٹ کے محکمہ آثارِ قدیمہ نے عجائب خانہ کے حکم میں لا کر ان کھنڈرات کو محفوظ کر دیا ہے۔"[25]"انگریز محقق لیونا ڈوولے نے ۱۹۳۴ء-۱۹۲۲ء میں "اُر" کے کھنڈرات دریافت کیے جو الناصر یہ شہر کے بالمقابل دریائے فرات کے جنوب میں تقریباً بیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہیں۔ بابل سے "اُر" تقریباً ۲۰۲۵ کلو میٹر جنوب میں ہے اُر ان دِنوں "تل المقیر" کہلاتا ہے۔[26]"

حضرت ابراہیمؑ کے خاندان، شہر، آپ کے حالات و واقعات اور اس وقت کے معاشرے کی نشاندہی میں علم الآثار نے اہم کردار ادا کیا ہے۔کھدائیوں کے نتائج متعلقہ آیاتِ قرآنیہ کی تشریح میں معاون ثابت ہوئے۔

قومِ عاد : اس قوم کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ
-اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ-الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ-وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ
-وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ-الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ-فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ-فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ[27]

(کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے "عاد" کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ (وہ عاد جو)"ارم" (قبیلہ کے لوگ تھے) ستونوں والے۔ وہ ایسے (تھے) کہ ان جیسے شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیے گئے تھے۔ اور ثمود کے ساتھ (کیسا سلوک کیا) جنہوں نے وادی میں چٹانوں کو تراشا۔ اور فرعون کے ساتھ (کیسا سلوک کیا) جو میخوں (کے ذریعہ عذاب دینے) والا تھا۔ جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی۔ اور بہت زیادہ فساد پھیلایا۔ تو تیرے رب نے ان پہ عذاب کا کوڑا برسادیا۔)

نشاناتِ ارضِ قرآن کے مصنف قومِ عاد کے زمانے کے بارے میں رقم طراز ہیں : " قومِ عاد کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے کا بتایا جاتا ہے ۔ وہ قومِ نوح کا جانشین تھے جن کا مسکن ارضِ احقاف تھا ۔ اس کے شمال میں حضر موت، مشرق میں عمان اور شمال میں ربع الخالی واقع تھا ۔ جدید تحقیقات کے مطابق قومِ عاد کے اکثر آثار پر ربع الخالی کی ریت بکھری ہوئی ہے ۔ قومِ عاد کی آبادی عرب کے سب سے بہتر علاقے میں تھی اور یمن ان کا پایہ تخت تھا۔ قومِ عاد بڑے اچھے صناع، سنگ تراش اور اپنی تعمیرات کے لیے مشہور تھے۔ بڑے بڑے ڈیم اور عمارتیں بناتے بناتے تھے ۔ اس دنیاوی عیش و فراعنت نے انہیں اللہ سے غافل کر دیا تھا۔ "[28]

قومِ ثمود: عاد کے بعد قومِ ثمود کو شہرت وسیاسی جانشینی حاصل ہوئی ۔ ثمود، عاد کے مقابل مغربی و شمالی عرب پر قابض تھے جس کا نام اس زمانے میں وادی القریٰ تھا۔ اسے وادی القریٰ اس لیے کہتے تھے کہ اس عہدِ قدیم میں یہ وادی چھوٹی چھوٹی وادیوں سے جابجا آباد تھی ۔ ان آبادیوں کے سنگی کھنڈرات اور آثار، جغرافینِ اسلام نے دیکھے تھے۔[29]

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ۔ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[30]

(وہ پہاڑ تراش تراش کر مکان بناتے تھے اور اپنی جگہ بالکل بے خوف اور مطمئن تھے۔ آخر کار ایک زبردست دھماکے نے ان کو صبح ہوتے آلیا۔ اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔)

تیسیر القرآن میں مذکور ہے کہ قومِ ثمود پر عذابِ الٰہیٰ نازل ہوا وہ اپنے گھروں میں مر گئے اور وہیں گلتے سڑتے رہ گئے ۔ اِن کا علاقہ اس راستے سے پڑتا ہے جو مدینہ سے تبوک جاتا ہے اور ان کے بہت سے آثار طویل مدت تک دوسروں کے لیے باعثِ عبرت بنے رہے۔[31]

جیسا کہ صحیح بخاری کی احادیث میں ذکر ہے کہ :

أَنَّالنَّاسَنَزَلُوامَعَرَسُولِاللَّهِصَلَّ ىاللَّهُعَلَيْهِوَسَلَّمَأَرْضَثَمُودَالْحِجْرَفَاسْتَقَوْامِنْبِئْرِهَاوَاعْتَجَنُوابِهِ""فَأَمَرَهُمْرَسُولُاللَّهِصَلَّ ىاللَّهُعَلَيْهِوَسَلَّمَأَنْيُهَرِيقُوامَااسْتَقَوْامِنْبِئْرِهَاوَأَنْيَعْلِفُواالْإِبِلَالْعَجِينَ، وَأَمَرَهُمْأَنْيَسْتَقُوامِنَالْبِئْرِالَّتِيكَانَتْتَرِدُهَاالنَّاقَةُ[32]

صحابہؓ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ثمود کی بستی حجر میں پڑاؤ کیا تو وہاں کے کنوؤں کا پانی اپنے برتنوں میں بھر لیا اور آٹا بھی اس پانی سے گوندھ لیا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ جو پانی انہوں نے اپنے برتنوں میں بھر لیا ہے اسے انڈیل دیں اور گندھا ہوا آٹا جانوروں کو کھلا دیں۔ اس کے بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ اس کنویں سے پانی لیں جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

، أَنَّالنَّبِيَّصَلَّ ىاللَّهُعَلَيْهِوَسَلَّمَلَمَّامَرَّبِالْحِجْرِ، قَالَ: ""لَا تَدْخُلُو امَسَاكِنَالَّذِينَظَلَمُواأَنْفُسَهُمْإِلَّاأَنْتَكُونُوابَاكِينَ،أَنْيُصِيبَكُمْمَاأَصَابَهُمْثُمَّتَقَنَّعَبِرِدَائِهِوَهُوَعَلَ ىالرَّحْلِ"[33]

نبی کریم ﷺ جب مقام حجر سے گزرے تو فرمایا "ان لوگوں کی بستی میں جنہوں نے ظلم کیا تھا نہ داخل ہو' لیکن اس صورت میں کہ تم روتے ہوئے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر وہی عذاب آ جائے جو ان پر آیا تھا۔" پھر آپ ﷺ نے اپنی چادر چہرہ مبارک پر ڈال لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کجاوے پر تشریف رکھتے تھے۔

اسی طرح قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ سابقہ قوموں اور انکی تہذیب و تمدن اور سیاست و انداز جہاں بانی کا تذکرہ ملتا ہے۔ جسکا مقصد عبرت پکڑنا ہے کہ اتنے زبردست اور اتنے مالدار اور اتنے قوت والے لوگ بھی اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَحِيصٍ - إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ[34]

اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی زمانے ہلاک کیے جو پکڑ میں انکی نسبت زیادہ سخت تھیں۔ انہوں نے شہروں کو چھان مارا, کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ہے ؟۔ یقیناً اس میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جسکے پاس دل ہو, یا وہ کان لگائے (غور سے بات سنے) اس حال میں کہ وہ (دل سے) حاضر ہو۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن بار بار دعوتِ فکر دیتا ہے۔ قرآن میں ایسے بہت سے واقعات اور متعدد مقامات کا ذکر کرتا ہے جن کی آج علمِ آثار قدیمہ اور علم التاریخ تصدیق کرتا ہے۔ یہ آثار انسان کی طبیعت پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ سید قطب شہید لکھتے ہیں :

"یوں تو دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو عبرت پذیری کے نقطۂ خیال سے دیکھا جاتا ہے مگر انسانی احساسات پر جو چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، وہ مٹے ہوئے دیار و بلاد کے کھنڈرات اور فنا شدہ زندگی

کی باقی ماندہ یادگاریں ہیں،آنکھ ان کو ظاہراً دیکھتی ہے اور انسانی بصیرت باطناً چشمِ تخیل سے ان کو ملاحظہ کرتی ہے۔قرآن انسان کی نگاہ کو ان کھنڈرات کی جانب منعطف کراتا ہے۔قوتِ متخیلہ کو دعوت دیتا ہے کہ وہ فناشدہ زندگی کو تصور میں لائے اور اس پر زحمتِ فکر و تعامل گوارہ کرے۔[35]

قرآن بار بار اللہ کے تخلیق کردہ اجتماعات، معاشروں اور تہذیبوں کا مطالعہ کرنے کا حکم دیتا ہے جس سے اس علم کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔

معاشرہ اور آثارِ قدیمہ

انسانی تاریخ میں پتھر کے زمانے تک وہ حالات پیدا ہو چکے تھے جو ایک معاشرہ کی نشو و نما کے لیے ضروری تھے۔جب انسان نے منظم انسانی زندگی کا آغاز کیا تو اس نے اپنی اجتماعی نشو و نما اور تحفظ کیلئے معیشت، سماجی زندگی اور نظم وضبط کو رواج دینا شروع کیا۔ محنت اور اشتراک کے نتیجے میں ایک منظم معاشرے کی بنیاد پڑی۔یہی سے مخصوص رسم ورواج،ضابطے اور پھر باقاعدہ تہذیب کا آغاز ہوا۔

پروفیسر عمر زبیری انسان کی معاشرت کی تاریخ میں تہذیب وتمدن کی نشوونما کے بارے میں رقم طراز ہیں:

جن وادیوں میں تہذیب وتمدن کی نشو و نما ہوئی ان میں تین باتیں مشترک تھیں۔

1. ان علاقوں میں زمینیں زرخیز تھیں اور یہاں پانی کی فراوانی تھی جس کی وجہ سے اناج اور غلہ کی کاشت آسانی سے کی جاسکتی تھی۔
2. ان علاقوں کی آب وہوا معتدل تھی، یہ علاقے بہت سرد تھے اور نہ بہت زیادہ گرم۔
3. یہ علاقے پہاڑوں یا ریگستانوں کے درمیان تھے اس لیے بیرونی حملہ آوروں سے بہت عرصہ تک محفوظ رہے اور یہاں جو لوگ آباد ہو گئے تھے انہیں کچھ عرصہ کے لیے امن وسکون سے زندگی بسر کرنے کا موقع مل گیا تھا جو تہذیب کے ابتدائی مراحل طے کرنے کے لیے ضروری تھا۔

ان علاقوں میں تہذیب کی ابتداء دراصل کاشتکاری سے ہوئی۔خاندان اور قبیلوں نے جب کاشتکاری کے لیے زمینوں پر آباد ہونا شروع کیا تو ان میں اجتماعی شعور ترقی پاتا رہا اور انہوں نے گاؤں بسائے۔پھر دیہاتی سے شہری زندگی تک اور قبائلی سردار کی حکومت سے بادشاہت کے قیام تک بتدریج ترقی ان علاقوں میں ہوئی جہاں قدیم زمانہ میں تہذیب وتمدن اور مذاہب کا آغاز ہوا۔

انسانی ارتقاء کا سفر تنگ و تاریک غاروں سے نکل کر کاشت کاری کی دریافت اور پھر تانبے، کانسی کے عہد تک پہنچا تو انسانی تمدّن نے دریاؤں اور آبی گزر گاہوں کے کناروں پر چند عظیم تہذیبوں کی بنیادیں قائم کیں۔ان ہم عصر اور ہم پلہ تہذیبوں میں دریائے نیل کے کنارے مصری تہذیب، دریائے دجلہ وفرات کے دوآبے میں میسوپوٹیمیا کی تہذیب اور دریائے سندھ کے کنارے وادیٔ سندھ کی عظیم تہذیب وجود میں آئی۔[36]

علم آر کیالوجی کی تحقیقات ہمیں قدیم تہذیبوں کی معاشرت، لباس، رہن سہن، رسم و رواج، زیورات، ہتھیار، کرنسی، ذریعۂ معاش، غذا، حالات و واقعات اور خانگی و معاشرتی زندگی وغیرہ کی کھوج لگانے میں مدد دیتی ہیں۔ موجودہ معاشرے ان قدیم معاشروں ں کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ دنیا کی ان قدیم تہذیبوں کی معاشرت ہمیں آثارِ قدیمہ سے معلوم ہوتی ہے ان میں سے کچھ کا تذکرہ درج ذیل ہے:

وادیٔ سندھ کی تہذیب

ہندوستان کے محکمہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے ۱۹۲۲ء میں ایک ایسی تہذیب کے آثار دریافت کیے جو ہندوستان میں آریاؤں کی آمد سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل وادیٔ سندھ میں ترقی کی منزلیں طے کر چکی تھی اور جو سامری اور بابلی تہذیب کی ہم عصر اور ہم پلہ تھی۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ کا خیال یہ تھا کہ اس تہذیب کے زیرِ اثر سندھ، بلوچستان اور پنجاب کے علاقے تھے۔۔۔ مختلف نسلوں کے لوگ یہاں آکر آباد ہوئے اور کئی صدیوں تک انہوں نے اس مشترک تہذیب کی نشو و نما کی جسے بعد میں وادیٔ سندھ کی تہذیب کا نام دیا گیا اور جس کا دریافت نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔[37]

سید سبط حسن لکھتے ہیں: "موہنجوداڑو، ہڑپہ کی تہذیب (جس کو عرفِ عام میں داویٔ سندھ کی تہذیب بھی کہتے ہیں) پاکستان میں کانسے کے دور کا نقطۂ عروج ہے۔ یہ تہذیب کوہِ ہمالیہ کے دامن سے کاٹھیاداڑ تک اور کوئٹہ سے راجپوتانہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دنیا کی سب سے بڑی تہذیبی وحدت تھی کیونکہ اس کا دائرہ ہم عصر مصری، سومیری اور ایرانی تہذبوں سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ یہ امن پسند تہذیب سبط حسین کے بقول تقریباً ایک ہزار برس تک (۲۵۰۰۔۱۵۰۰ ق م) بڑی آن بان کے ساتھ زندہ رہی۔ اس کے اب تک ساٹھ سے زیادہ آثار دریافت ہو چکے ہیں۔ اِن میں دو بڑے شہر موہنجوداڑو اور ہڑپہ ہیں، یہ

'دارالسلطنت' تھے۔ اور بقیہ چھوٹی چھوٹی بستیاں جو پورے سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ موہنجوداڑو تجارتی بندرگاہ بھی تھی۔ جس کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔"[38]

موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے شہروں کی بناوٹ اور عمارتوں سے اس تہذیب کی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کی آبادی کا نقشہ لاجواب اور عمدہ تھا۔ ڈاکٹر سعود الحسن روہیلہ لکھتے ہیں:

جب ہم ہڑپہ شہر کے نقشہ کی صورت دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ شہر کی تعمیر میں حفظان صحت کے تمام اصولوں کو مد نظر رکھا گیا تھا۔ اس شہر کا نقشہ کئی بڑے بڑے مستطیل رقبوں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر پلاٹ میں چھوٹی چھوٹی گلیاں اور راستے تھے۔ عمارتوں کی قطاروں میں ایک خاص رابطہ تھا۔ گندے پانی کے نکاس کے لیے باقاعدہ نظام موجود تھا۔ بعض اینٹوں پر نقش و نگار کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔۔ اینٹوں کے ڈیزائن بھی ملے ہیں۔ موہن جودڑو کے ہزاروں سال پرانے تعمیر کردہ کنوئیں، ملبہ اور گارا نکالنے کے بعد صاف اور ٹھنڈا پانی دے رہے ہیں اس شہر کے لوگ صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے گندے پانی کے نکاس کا جو طریقہ موہنجوداڑو میں پایا گیا ہے اس دور میں روئے زمین پر کسی بھی تہذیب میں اس کا سلیقہ نہیں تھا۔ گلیوں اور سڑکوں کے دونوں طرف گندے پانی کے نکاس کے لیے پتھر کی سلوں سے ڈھانپی گئی نالیاں تعمیر کی جاتی تھیں۔ موہنجودڑو میں بعض ایسی عمارتیں ملی ہیں جن پر حمام ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی شہری آبادی کا ایسا نظام نہیں ملا جو اس قدر پیچیدگی اور نفاست رکھتا ہو اور اتنے قدیم زمانے میں اسے محتاط منصوبے کے تحت قائم کیا گیا ہو۔[39]

ہڑپہ شہر کے لوگوں کا قومی پیشہ **زراعت** تھا اس کے علاوہ انہیں دست کاری، صنعت و حرفت اور خام برتن سازی کے رموز سے آگاہی تھی۔ آثار قدیمہ کی ان شہادتوں سے ہڑپہ تہذیب کا جو نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ ایک نہایت ہی امن پسند مگر کاروباری معاشرے کا ہے۔ جو بہت دولت مندانہ تھا۔ معاشرے میں تقسیم کار کے اصولوں پر سختی سے عمل ہوتا تھا۔ سُنار، کمہار، بڑھئی، جولاہے، نگینہ ساز، بنئے،، بقال اور تاجر سبھی برادریاں بن گئیں تھیں اور پورا معاشرہ معاشی طبقوں میں بٹ گیا تھا۔[40] لیکن ظالمانہ طبقاتی نظام سے آزاد تھا۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب کا زوال کیسے ہوا، یہ بات ہمیشہ سے ایک معمہ رہی ہے اور اہل فکر و دانش نے اس مسئلے پر مختلف آراء کا اظہار کیا ہے جن میں تضاد بھی جھلکتا ہے۔ ہڑپہ کے حوالے سے تحقیق کرنے والے بعض محققین کا خیال ہے کہ اس قدیم ترین تہذیب کے خاتمے کا سبب غیر ملکی حملہ آور بنے۔ جبکہ بعض

مفکرین کی رائے یہ ہے کہ کیونکہ یہ تہذیب دریا کے کنارے واقع تھی،اس لئے دریاؤں میں آنے والی طغیانی اور سیلاب نے اس تہذیب کے آثار کو غائب کر دیا۔

اثری خصائص:

1۔ موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے آثار اور سندھ کی قدیم تہذیب کے بارے میں جو معلومات ہوئیں ان سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ آریوں کے آنے سے بہت پہلے یہ ملک تہذیب و تمدن کا گہوارہ بن چکا تھا۔ وادی سندھ میں ایسے ذہین اور باشعور لوگ آباد تھے جو اس دور کی کسی بھی متمدن انسانی تہذیب سے پیچھے نہ تھے۔

2۔ وادی سندھ کی زرخیزی نے انسانوں کو تہذیب و تمدن سے روشناس کرایا اور پھر موہنجوداڑو اور ہڑپہ جیسے شہر آباد کیے۔ ان شہروں نے جس تمدن کو فروغ دیا وہ جنگوں کی بدولت نہیں بلکہ امن و سلامتی کی بناء پر وجود میں آیا تھا اور پوری قوم میں رچ بس گیا تھا۔

3۔ سندھ کی تہذیب کے معاملے میں ایک عجیب مسئلہ یہ ہے کہ اس کی تاریخی دستاویزات میں سے کسی کا بھی مفہوم معلوم نہیں کیا جا سکا ہے۔ جس کے سبب وادئ سندھ کی اثریات کا دائرہ تو وسیع ہے لیکن کوئی متعلقہ دستاویز آخر تک نہیں پڑھی گئی۔

میسوپوٹیمیا کی تہذیب

ایک تہذیب جس نے ہمیشہ سے اپنا اثر ہر آنے والی تہذیب پر جمائے ہوئے ہے وہ میسوپوٹیمیا کی تہذیب ہے۔یہ یونانی زبان کا لفظ ہے۔ میسو یعنی درمیانی زمین اور پوٹیمیا یعنی دو دریا فرات اور دریائے دجلہ۔ میسوپوٹیمیا دو دریاؤں کے درمیان کی زمین کا ٹکرا۔ اس کو عربی میں "بین النہرین" کہتے ہیں۔ یہ عراق میں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیان واقعہ علاقہ ہے جہاں دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں مثلاً عکادی، اشوری اور بابل نے جنم لیا۔ یہ چھ ہزار سال قبل مسیح سے بھی زیادہ پرانی ہے۔ یہ تہذیب کئی تہذیبوں کا گہوارہ تھی۔ جیساکہ Ancient History Encyclopedia کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

Mesopotamia should be more properly understood as a region that produced multiple empires and civilizations rather than any single civilization. Even so, Mesopotamia is known as the "cradle of

civilization" primarily because of two developments that occurred there, in the region of **Sumer**, in the 4th millennium BCE:

- the rise of the **city** as we recognize that entity today.
- the invention of **writing** (although writing is also known to have developed in Egypt, in the **Indus Valley**, in **China**, and to have taken form independently in Mesoamerica).[41]

جدید اثری تحقیقات سے جو معلومات مہیا ہوئی ہیں، ان کے مطابق ۲۱۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ حضرت ابراہیم کا عہد ہے۔ بابل کا شہر "اُر" ایک بڑا صنعتی و تجارتی مرکز تھا۔ آثارِ قدیمہ کے کھنڈرات سے اس عہد کی جو تحریریں دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل کی سلطنت موجودہ عراق کی حدود کے قریب تھی۔ یہاں کے لوگ مادہ پرستانہ ذہن کے کاروباری لوگ تھے۔

قدیم زمانے میں "عرب سامیہ" کے ایک خاندان نے عراق میں حکومت کی۔ اس سے زیادہ حالات قدامت کی تاریخ میں مخفی ہیں، لیکن آرکیالوجی کی اعانت سے بابل کا تمدن زندہ ہو رہا ہے، اور علم الآثار کے چراغِ طلسمی میں اب نظر آرہا ہے کہ بابل و سیریا کا ہر پتھر درحقیقت ان کی تاریخ کا ایک صفحہ ہے یعنی ہر چیز مذہب سے شروع ہوتی ہے، تورات، بابل و اسیریا کے سلاطین اور شہروں کے نام سے پُر ہے نوع انسان کا افتراق بابل میں ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ بابل اور کلدان کے شہروں سے نکل کر فلسطین آئے تھے، یہودیوں کی تباہی اہلِ بابل کے ہاتھوں سے ہوئی، ان وجوہ سے ضروری تھا کہ یورپ کے علمائے آثار ان ممالک کی تنقیب و اکتشاف کی طرف توجہ کریں، اس کی ابتداء سولہویں صدی میں ہوئی اور اب تک جاری ہے۔ سینکڑوں کتبات، خطوط، کتابیں (منقوش بہ سنگ) مجسمات، سکے، عمارات، نشانات، واقعات و تحقیقات کا سلسلہ جاری کیا گیا، یہاں تک کہ ان سے بابل و اسیریا کی عظیم الشان تاریخ مدون ہو گئی۔"[42]

قدیم تہذیب و تمدن پر اب تک سامنے آنے والے تحقیقی حقائق کو **علی عباس جلالپوری** نے کچھ یوں بیان کیا کہ " تہذیب و تمدن کی تاسیس کا شرف ول ڈیوران نے سُمیریوں کو بخشا ہے اور سر آرتھر کیتھ لکھتے ہیں کہ قدیم سمیریوں کے نسلی آثار کا کھوج مشرق کی جانب افغانستان اور بلوچستان سے لیکر وادی سندھ تک کے باشندوں میں لگایا جاسکتا ہے جو میسوپوٹیمیا سے ڈیڑھ ہزار میل کی مسافت پر واقع ہے۔ ہڑپہ اور موہنجودڑو کی کھدائی میں ایک ترقی یافتہ تمدن کے آثار دریافت کئے گئے ہیں۔ ان مقامات سے جو اشیاء کھود کر نکالی گئی ہے ان میں وہ چوکور مہریں خاص طور سے دلچسپی کا باعث ہیں جو ساخت، ہیئت اور نقوش کے لحاظ سے اُن مہروں سے ملتی جلتی ہیں جو سمیریا میں پائی گئی تھیں"[43]

دجلہ وفرات کی تہذیب مختلف خاندانوں کے دورِ حکومت میں پروان چڑھی جن کے عروج وزوال کا سلسلہ جاری رہا۔

اثری خصائص:

1۔ میسوپوٹیمیا کی تہذیب ایک ایسی تہذیب تھی جس نے مزید کئی تہذیبوں کو جنم دیا۔ میسوپوٹیمیا کے علاقوں میں پہلے شہر آباد ہوئے۔ان فصیل دار شہروں میں بڑی بڑی عوامی عمارات بنائی گئیں۔بادشاہ سربراہوں کی صورت میں نمودار ہوتے رہے جنہوں نے دولت اور طاقت کے بل بوتے پر فتوحات حاصل کیں۔ان طاقتور بادشاہوں نے مستقبل کی اقوام اور موروثی حکومتوں کی بنیاد رکھی۔

2۔ میسوپوٹیمیا کی تہذیب عروج وزوال کے زمانی حوادث کا شکار رہی اس لیے اس کے بارے میں آثاری شہادتیں بہت کم ہیں۔بنا بریں ان کے مذہبی خیالات اور معاشرتی رسوم وآداب کے بارے میں اندازہ تو لگایا جاسکتا ہے مگر حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

بابل کی تہذیب

شہرِ بابل کلدانی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ یہ شہر دریائے فرات کے کنارے موجود شہر بغداد سے ستر میل جنوب کی طرف واقع تھا۔اور دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک تھا۔ ۴۰۰۰ قبل مسیح کی تحریروں میں اس کا ذکر تھا۔ بہت سے آشوری بادشاہوں نے بابل پر حملے کر کے اسے فتح کیا۔ بار بار تباہ ہونے کی وجہ سے اب اس شہر کے صرف کھنڈرات باقی ہیں۔ دجلہ وفرات کی وادی میں چار ہزار سال قبل مسیح کی کئی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم تھیں۔اس علاقے میں ۱۵۰۰ سال قبل مسیح تک جو تہذیب رہی وہ بابل کی تہذیب کہلاتی ہے۔ بابل اور دیگر بڑے شہروں میں الگ الگ بادشاہ تھے جو پیشوا کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ تقریباً ۴۰۰ قبل مسیح میں سارگون نے سارے میسوپوٹیمیا پر قبضہ کر کے یہاں ایک ایسی سلطنت قائم کی جو ۲۰۰ برس تک قائم رہی۔ چنانچہ حمورابی اسی سلطنت کا فرمانروا تھا۔[44] انبیائے قرآن کے مصنف کے نزدیک "راجرس نے حمورابی کے زمانہ حکومت کی تاریخیں ۲۴۴۲ قبل مسیح تا ۱۲۸۸ متعین کی ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حمورابی، حضرت ابراہیمؑ کا ہم عصر تھا۔"[45]

تاریخِ عالم میں سب سے پہلا مجموعہ قوانین مرتب کرنے کا اور ان کو نافذ کرنے کا اعزاز حمورابی کو ہی حاصل ہوا۔ یہ مجموعہ قوانین ۲۸۲ دفعات پر مشتمل تھا، جو پتھر کی ایک لاٹ پر آج بھی محفوظ ہے۔ ان

قوانین کا مجموعہ صاف طور پر ایک ایسے سماج کی نشان دہی کرتا ہے۔ جس میں طبقاتی درجہ بندی سختی سے نافذ ہو۔ ذمہ داروں، پروہتوں اور سوداگروں کے حقوقِ ملکیت کی ضمانت دی گئی اور ان گروہوں کے مفادات کو احتیاط کے ساتھ محفوظ کر دیا گیا۔ حمورابی کا ضابطہ قوانین قدیم بابل میں غلاموں کی حیثیت کا بھی تعین کرتا ہے۔ حمورابی کے عہدِ حکومت میں بابل کا سماج ترقی کی نہایت بلند سطح پر پہنچ گیا تھا۔[46]

تاریخ و تہذیبِ عالم کے مصنف ان کے مذہب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

اہم ترین دیوتا اتبوز اور دیوی اشتر تھے جو اوسیریس اور ایسیس سے مشابہ تھے۔ اس کے علاوہ مختلف مقامی عقائد بھی تھے جن کا تعلق مقامی دریاؤں اور نہروں کی روحوں سے تھا۔ متوفیوں کی روحوں کی بھی عبادت کی جاتی تھی۔[47]

حمورابی کے ہی دورِ حکومت میں ۱۷۷۵ ق م میں آب پاشی کا نظام قائم کیا گیا، یہ غالباً دنیا کا پہلا آب پاشی کا نظام ہے جس سے دریائے دجلہ سے پانی مختلف چھوٹی چھوٹی نہروں کے ذریعے کھیتوں تک لایا گیا۔[48] حمورابی کا زمانہ بابلی حکومت کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ بابلی حکومت مستحکم بنیادوں پر قائم تھی۔ حمورابی کے زمانہ میں ہی صنعت و حرفت اور تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا اور بابلی ایک خوش حال قوم بن گئے۔[49]

اثری خصائص:

1۔ بابلی تہذیب میسو پوٹیمیائی تہذیب کی ابتدائی وراثت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی میسو پوٹیمیائی ثقافت کے مخصوص عناصر کی ماخوذیت حتمی اور قطعی ہے۔

2۔ بابل کے سماج میں مذہب کی حیثیت بھی کم اہم نہیں تھی۔ ادب سے لے کر علم و فن تک تہذیبی زندگی کے تمام شعبوں پر مذہب کا گہرا اثر تھا۔

3۔ اس تہذیب سے متعلق دریافتیں اور اس کی جزوی تفصیلات اور ان سے حاصل کردہ معلومات یہ ثابت کرتی ہیں کہ بابل کی تہذیب ایک عظیم تہذیب تھی۔

آشوری تہذیب

آشوریہ (Assyria) تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح، شمالی عراق میں دریائے دجلہ و فرات کے درمیان فروغ پانے والی ایک قدیم تہذیب و سلطنت جو اپنے میں مصر، شام، لبنان، آرمینیا، ایلم

(جنوب مغربی ایران) اور بابل تک پھیلی ہوئی تھی۔ ابتدا میں اس کا دارالسطنت شہر اشور (موجود قلعہ شرغتہ، جو موسل سے 55 میل جنوب میں واقع ہے) تھا۔ اسی کے نام پر اسی سلطنت کا نام اشوریہ پڑا۔ بعد میں اشوری فرماں رواؤں نے شہر نینوا کو دارالسطنت بنایا اور وہاں عظیم الشان محل، معابد اور دیگر عمارات تعمیر کیں۔

اشوریوں کے مذہبی عقائد قدیم سومیری اور بابلی عقائد سے اخذ کردہ تھے اور ان کا سب سے بڑا دیوتا اشور تھا۔ جس کا سر گدھ کا اور جسم انسان کا تھا۔ "اسورین لوگ اشور کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اپنی خوش قسمتی اور فتوحات کو اُسی سے منسوب کرتے تھے۔ اشور بن شام بن نوحِ اِس قوم کا بانی تھا۔۔ آشور کی پرستش بطور خدا کے اس کے بانیٔ قوم ہونے پر منحصر تھی۔ پہلے اس کی تعظیم کرتے تھے، پھر پرستش ہونے لگی۔ اور آخر کار آشور کو خدا سمجھنے لگے۔[50] آشوری لوگوں کی تہذیب اتار چڑھاؤ کا شکار رہی یہ کبھی آندھی کی طرح اُٹھے اور بگولے کی طرح بیٹھ بھی گئے۔ ان کے زوال کے بعد بابل پر پھر بہار آئی اور دوسری بابلی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔[51]

اشوری فوج مختلف ہتھیاروں کے اعتبار سے تقسیم تھی:

(۱) دو گھوڑوں والے رتھ، (۲) شہ سواروں کا دستہ (جو سب سے پہلے اشوری فوج ہی وجود میں آیا تھا)

(۳) بھاری یا ہلکے ہتھیاروں سے مسلح پیدل فوج (۴) فوجی انجینئر اور

(۵) محاصرے کی فوجیں جو منجنیقی کلوں اور دیواروں اور در توڑنے کے بھاری بھاری لمبے شہتیروں سے آراستہ ہوتی تھی۔ بادشاہ کی قوت کی بنیاد فوج ہی ہوتی تھی اور تخت نشینی کے بعد فوج کے روبرو پیش ہونا بادشاہ کی رسوم میں شامل تھا۔ لیکن اشوری فوجی طاقت کی بنیادیں کمزور تھیں۔ اس وسیع و عریض ریاست کے مختلف حصے کافی متحد نہیں تھے اور محکوم قوموں پر ظلم و جبر کیا جاتا تھا۔ باغی بابل اور اس کے ساتھ ایرانی سطح مرتفع کی ایک ریاست کے لوگوں نے مل کر سلطنتِ اشوریہ کو ایسی زک پہنچائی کہ اس کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔[52]

اشوری تہذیب کو مقامی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اشوریوں نے اپنی فتوحات اور تجارتی تعلقات کی بدولت بابلی تہذیب کو بحیثیت مجموعی قدیم مشرق کے دوسرے تمام ملکوں میں پھیلا دیا۔ مثلاً اشوری بادشاہ اسورنی پال کے مشہور کتب خانے میں مختلف زبانوں میں لکھی ہوئی ادبی اور مذہبی عبارتوں، علمی مقالوں،

حوالوں کی کتابوں اور لغات کا ذخیرہ تھا اور وہ قدیم مشرق کی تہذیبی کار گزاریوں کے حقیقی مخزن کی حیثیت رکھتا تھا۔[53]

آشوری شہر: آشوریوں نے چار بڑے شہر آباد کیے تھے، اربیلا، کلاخ آشور اور نینواہ۔ ان میں آشور اور نینواہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اوائل میں آشوریوں کا دار لحکومت آشور رہا۔ اس کے بعد کلاخ اور آخر میں نینواہ۔ آشور بنی پال کے عہد میں نینواہ کی آبادی تقریباً تین لاکھ تھی۔ اس کی تعمیرات کا سلسلہ برسوں جاری رہا۔ آشوری دور عروج میں یہ شہر صنعت و تجارت و ہنر کا مرکز بن گیا تھا۔

دجلہ و فرات کے دامن میں یہ عظیم تہذیب پروان چڑھیں۔ انہوں نے صرف زراعت میں ہی ترقی نہیں کی بلکہ واقعات کو ضبطِ تحریر میں لانا، پہیہ کی ایجاد بھی اس کی تاریخ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ وقت کو ماپنے کا سلسلہ بھی سمیرین نے ہی ایجاد کیا۔ مٹی کی اینٹیں بنانے سے لے کر اونچے اونچے ٹاورز بنانا، لائبریری، ادب کا رواج بھی اس تہذیب کی اہم اور خوبصورت بات تھی۔ ایچ جی ویلز کے نزدیک اشوری ہی وہ اولین قوم تھے جنہوں نے لوہے اور خون کے تصور کو اختراع کیا۔[54] غرضیکہ اس تہذیب نے انسان کی معاشرت کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا۔

اثری خصائص:

1۔ بنیادی طور پر آشوری ایک جنگ جو قوم تھے۔ لہٰذا ان کا دور فتوحات کے لحاظ سے تو اہم تھا لیکن معاشرتی اور تمدنی لحاظ سے آشوریوں نے دنیا کی تہذیب میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں کیا۔ انہوں نے بابلی تہذیب کو اپنا لیا تھا اور اسے تمام علاقوں میں پھیلا دیا۔

2۔ آشوریوں سے متعلق بہت سے قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ مگر کوئی امر متعین طور پر معلوم نہیں۔ بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ آشوریہ عظیم سلطنت تھی اور اس کے گرد شہر پناہ کھینچ کر قلعہ بندی کی گئی تھی۔ ان کے بارے میں جتنی بھی معلومات ہے وہ اثریات کی مرہونِ منت ہیں۔

خلاصہ بحث

آرکیالوجی کے اس فن کی مدد سے ایک طرف تو قرآن میں ذکر کیے گئے آثار و مقامات کی فنی لوازمات کے ساتھ تحقیق سے صداقتِ قرآنی کے گوشے بے نقاب ہوں گے اور حقائقِ قرآنی کو لوگوں کے سامنے ایک سائنس کی صورت میں پیش کر کے کلامِ الٰہی کی حقانیت ان کے قلب و روح میں اُتارا جائے گا۔ مزید یہ کہ

قرآن مجید ان آثارِ باقیہ کو پوری انسانیت کے سامنے بطور عبرت پیش کرتا ہے۔اس لیے آج Science of Archaeology کی بدولت قدیم معاشروں کو مخصوص کیفیت اور تفصیل سے سمجھنا، بے حد آسان ہو گیا ہے۔

آثارِ قدیمہ ہمیں قدیم معاشروں کے حوالے سے ہمیں اندازِ زیست کے نتائج و عواقب سے آگاہ کرتے ہیں۔ دنیا میں مختلف کھنڈرات، معاشروں کی داستانیں آج تک بیان کر رہے ہیں، کہ قوموں کی رہائش کیسی تھی، وہ تہذیب و تمدن کی کس سطح پر تھے۔لوگوں کے پسندیدہ مشاغل کیا تھے اور ان کے باہمی معاملات کیسے تھے۔یہ مفید اور اہم غرض و غایت کا علم و فن ہے جو ہمیں گذرے ہوئے معاشروں کے اخلاق و احوال سے باخبر کرتا ہے۔جن کی بناء پر نہ صرف زمانہ حال کے مطابق مسائل کا استخراج و استنباط ہو سکتا ہے بلکہ مستقبل کے بارے میں بھی طے کیا جا سکتا ہے کہ ان کی شکل و صورت کیا ہو، تو کیوں نہ تاریخ کی کڑیاں بھی علت و معلول کے قدرتی سلسلے کے ساتھ باہم اس طرح وابستہ ہوں کہ ان کی بنیاد پر ماضی سے حال کو جانچا جا سکے اور حال سے مستقبل کے متعلق پیشن گوئیاں کی جا سکے۔اگر صحیح نقطہ نظر اور ایمان و معرفت سے آرکیالوجی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بجائے خود ایک فکری جہاد ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کی ایک صورت ہے جس میں صلاحیتوں کو لگانا بھی ایک طرح سے اہم دینی خدمت ہے۔

نتائج

- قدیم اقوام کی معاشرت اور ان کی تباہی کے بارے میں جو اشارے موجود ہیں آج اس اجمال کو علم الآثار نے نے تفصیلات و دلائل مہیا کر دیے ہیں۔
- اثری کھدائیوں سے کئی پوشیدہ حقائق بے نقاب ہوئے ہیں ۔علم الآثار تاریخ کے بہت سے گم نام گوشوں پر روشنی ڈال کر ان کو بے نقاب کرتا ہے۔الہامی سچائیاں اپنی جگہ بجا ہیں۔تو انہی متعدد قرآنی صداقتوں کو یہ علم ناقابل تردید ارضی و عینی ثبوت مہیا کرتا ہے۔قرآن کے دیے ہوئے اشاروں کی روشنی سب مفسرین و مورخین نے امکانی حد تک ان کی تاریخ کے خدو خال واضع کرنے کی کوشش کی ہے اور یوں قرآن کے فیضان سے علم تاریخ اس انداز سے سامنے آیا جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔

- قدیم معاشروں کو مکمل اثری تفصیلات سے مربوط کر کے آج کے انسان کو معجزۂ قرآن کی جانب متوجہ کرتے ہوئے ہدایت و نصیحت کی طرف لایا جاسکتا ہے۔
- علم الآثار سے عدم استفادہ کے سبب ان آثارِ قدیمہ سے نتائج و استنباط کا حصول ممکن نہیں۔ لہذا آج یہ علم فہم معاشرت میں ایک معاون علم کا درجہ حاصل کر گیا ہے۔
- قرآن کریم جب گزشتہ گزری ہوئی اقوام کا تذکرہ کرتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ آثار کی صورت میں اس کی باقیات کو محفوظ رکھتا ہے تو اس کا مقصود اس قوم کی تاریخ اور اس کی جزئیات بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصود ان کی تاریخ کے اس گوشہ کا بیان ہوتا ہے جس سے آنے والی نسلیں حکمت اور موعظت حاصل کریں، اور ایسے امور کا ارتکاب نہ کریں جو کسی قوم کی تباہی کی وجہ ثابت ہوئے، ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں، اپنے اعمال پر نظر ثانی کریں اور اپنی اصلاح کے لئے مقدور بھر کوشش کریں۔

تجاویز

- عہدِ حاضر میں علم الآثار سے استفادہ کی اشد ضرورت ہے تاکہ مغضوب معاشروں کا آرکیالوجیکل معائنہ کر کے ان کی تفصیلات اکٹھی کی جائیں اور ان آثارِ باقیہ کو نشانِ عبرت کے طور پر محفوظ کیا جائے۔
- ان تباہ شدہ معاشروں، ویرانوں اور کھنڈرات میں جابجا انسانوں کے لیے عبرت و موعظت اور ہدایت و بصیرت کا ایک جہاں پوشیدہ ہے۔ لہذا ان اُجڑے دیاروں کو بطور "آیتِ الہیٰ" پیش کیا جائے۔
- ان مغضوب معاشروں اور تہذیبوں کا کھوج لگا کر، ان کے زوال کے اسباب کو سمجھ کر انہیں انسانیت کے لیے محفوظ کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ ان کے ظروف و رسوم اور دیگر جزئیات سے اصول مستنبط کرنا اور ان اصولوں سے جزئیات کی تعبیر کرنا اور پھر ان اصولوں سے آج کے لیے راہنمائی حاصل کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔
- علم الآثار بندوں کے لیے جیتا جاگتا نمونہ آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ انسان کی روح تک اطاعتِ الہیٰ کے جذبے سے سرشار ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ موجودہ زمانے کی اقوام اگر گذشتہ

معاشروں کی مادی ثقافت، زبان ورسوم یا دوسرے مادی نمونوں کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ احتیاط سے کریں تو ہم اپنی سابقہ معلومات میں توسیع کا بندوبست کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

[1] راغب اصفہانی، امام، مفردات القرآن (اردو)، مترجم مولانا محمد عبدہ فیروزپوری،، طبع زاہد بشیر پرنٹرز، جون ۱۹۸۷ء، ۱/ ۱۴۔۱۳

[2] حمیرا عالم، آثارِ قدیمہ کی سائنس، شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز فیروزپور روڈ لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۵

[3] سوہدروی، کامران اعظم، پاکستان کے تاریخی آثارِ قدیمہ، دار فطرۃ محلہ قاضیاں سوہدراں تحصیل وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ، ۲۰۱۵ء، ص ۷

[4] سجاد میرٹھی، قاضی زین العابدین، بیان اللسان، مکتبہ علمیہ، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۵۰ء، ص ۶

[5] الحدید ۵۷:۲۷

[6] غافر ۴۰:۲۱

[7] اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبرِ قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، دسمبر ۲۰۰۷ء، ۷/۲۸

[8] صافات ۳۷:۷۰

[9] کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، تیسیر القرآن، مکتبہ اسلام وسن پورہ لاہور، ۱۴۲۸ھ، ج ۳، ص ۶۷۶

[10] عبدالرحمٰن دہلوی، مولانا، مقدمہ تاریخ ابنِ خلدون، الفیصل ناشران والکتب لاہور، ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۵۸

[11] The New Encyclopedia Britannica, Vol 1,JacobE.Safra, Jorge Aguilar-cauz, Chicago,1903, p 525

[12] Ishfaq Ahmad Khan, Professor, The Quranic Encyclopedia, Quranic Education & Social Services Welfare Trust, Multan, March 2008, P 175

[13] اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ، طابع وناشران عبدالحمید خان، ۱۹۶۲ء، ص ۱۹

[14] Smith ME, editor. The Comparative Archaeology of Complex Societies. New York: Cambridge University Press; 2012. P 238

[15] Ibid, P 254

[16] ہنری تھامس بکل، تاریخ تہذیب وتمدن، مترجم مولانا شبلی نعمانی، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۳، ص ۴۱

[17] ہنری تھامس بکل، تاریخ تہذیب وتمدن، مترجم مولانا شبلی نعمانی، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۳، ص ۳۱

[18] سورۃ ابراہیم: ۵

[19] غافر ۴۰:۸۲

[20] عبدالرحمٰن دہلوی، مولانا، مقدمہ تاریخِ ابنِ خلدون، الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب لاہور، ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۵۷

[21] یس ۳۶:۱۲

[22] صلاح الدین، یوسف، حافظ، تفسیر احسن البیان، دارالاسلام لاہور، س۔ن، ص ۲۱۷

[23] بخاری امام، صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علاماۃ النبوۃ فی الاسلام، ۱۹۹/۴، ح ۳۶۰۴

[24] عمر زبیری، پروفیسر، قدیم تہذیبیں اور مذاہب، دارالشعور لاہور پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۵۴

[25] دریاآبادی، عبدالماجد، مولانا، تفسیر، ماجدی، تاج کمپنی لاہور، حاشیہ نمبر ۴۴۲، ص ۶۱۹

[26] شوقی، ابوالخلیل، ڈاکٹر، (مترجم اردو) اطلس القرآن، دارالاسلام لاہور، ۱۴۲۴ھ، ص ۸۱

[27] سورہ فجر ۸۹: ۶۔۱۳

[28] مصباح الدین، شکیل، شاہ، نشاناتِ ارضِ قرآن، فضلی سنز کراچی، ۲۰۰۶ء، ص ۳۱

[29] ندوی، سید سلیمان، تاریخِ ارض القرآن، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۱۱ء، ص ۱۸۹

[30] الحجر ۱۵: ۸۴۔۸۲

[31] کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام لاہور ۱۴۲۸ھ، ج ۳، ص ۴۹۹

[32] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قولہ تعالیٰ والی ثمود اخاھم صٰلحا، جز ۴، ص ۱۴۸، حدیث ۳۳۷۹

[33] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قولہ تعالیٰ والی ثمود اخاھم صٰلحا، جز ۴، ص ۱۴۸، حدیث ۳۳۸۰

[34] سورۃ ق: ۳۶۔۳۷

[35] قطب شہید، سید، التصویر الفنی فی القرآن،، مکتبۃ القرآن، س۔ن، ص ۵۵

[36] ابن حنیف، سات دریاؤں کی سرزمین، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۶۷

[37] عمر زبیری، پروفیسر، قدیم تہذیبیں اور مذاہب، دارالشعور لاہور پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۶۸۔۶۷

[38] سبط حسین، ہاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، مکتبہ دانیال کراچی، ۱۹۹۶ء، ص ۶۶

[39] ایضاً، ص ۷۹

[40] سبط حسین، ہاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، مکتبہ دانیال کراچی، ۱۹۹۶ء، ص ۷۲

[41] Ancient History Encyclopedia, Mesopotamia
https://www.ancient.eu/Mesopotamia/ retrieved 11-12-2017 1:04 pm

[42] ندوی، سید سلیمان، تاریخِ ارضِ القرآن، مجلسِ نشریات اسلام کراچی، ۲۰۱۱ء، ص ۱۸۹

[43] علیعبا سجلاپوری، روحعصر، ناشر تخلیقات، ۲۰۱۳، ص ۲۶/۲۵

[44] اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۶۲ء، ص ۲۴۹

[45] جمیل احمد، محمد، انبیائے قرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص ۸۸

[46] عدنان طارق، تاریخ میں سفر، کتاب سرائے الہلال بکس لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۳۴

[47] اے۔ مانفرید، تاریخ و تہذیبِ عالم، مترجم امیر الدین، تقی الدین، نگارشات لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۳۲

[48] عدنان طارق، تاریخ میں سفر، ص ۳۴

[49] عمر زبیری، پروفیسر، قدیم تہذیبیں اور مذاہب، دارالشعور لاہور پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۶۲

[50]ضیاءالدین اکمل، تاریخِ قدیم، ریسرچ اینڈ پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۶۳

[51]ایضاً، ص ۶۲

[52]ایضاً۔ ص ۳۱۔۳۰

[53]اے۔ مانفرید، تاریخ و تہذیب و عالم، مترجم امیر الدین، تقی الدین، نگارشات لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۳۱

[54]ایچ۔ جی۔ ویلز، مختصر تاریخِ عالم، تخلیقات لاہور، جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۸۱